اسلامی شریعت

شیخ ابراہیم القطان

۵۔ اجتہاد:

اجتہاد کا مطلب یہ ہے کہ شرعی دلیلوں اور ان کی تطبیق سے شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے استنباط میں پوری پوری کوشش سے کام لیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اجتہاد اسلامی قانون سازی کی اہم اور سب سے بڑی خصوصیت ہے ' چنانچہ اس کا دروازہ کھلا ہے ۔ اسلام میں اجتہاد کا اصول بڑے اہم فوائد کا ضامن ہے 'کیونکہ اس سے علماء کے سامنے قانون سازی کا راستہ واضح اور منور ہو جاتا ہے ۔ اور اسلامی فقہ ہر دور اور ہر مقام کے لیے زندہ اور موزوں قانونی نظام کی شکل اختیار کرلیتی ہے ۔

اجتہاد ایسے مسائل اور واقعات کے بارے میں کیا جاتا ہے جن کی نسبت شریعت میں کوئی نص یا صریح اور قطعی دلیل وارد نہ ہوئی ہو ۔ چنانچہ اگر کوئی واقعہ جس کے بارے میں شرعی حکم معلوم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہو ایسے حکم شرعی کی طرف رہنمائی کرے جس میں قرآن یا سنت کی کوئی صحیح دلیل موجود ہو تو اس میں اجتہاد کی قطعاً" گنجائش نہیں ۔ اسی لیے کہا جاتا ہے : لا مجال للاجتہاد فی

مورد النص (اگر کسی مسئلے میں نص وارد ہو چکی ہو تو اس کے بارے میں اجتہاد کی گنجائش نہیں۔)

لیکن اگر وہ واقعہ جس کے بارے میں شرعی حکم معلوم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہو ایسا ہو کہ اس میں ظنی الورود والدلالہ' نص موجود ہو یا ان میں سے ایک فقط ظنی ہو تو اس میں اجتہاد کی گنجائش ہوتی ہے' اس لیے کہ مجتہد کے واسطے ضروری ہے کہ وہ ظنی الورود دلیل کے بارے میں ان امور کا جائزہ لے کہ اس کی سند کی حیثیت کیا ہے' اور یہ کہ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر ہم تک کس طریقے سے پہنچی ' اور یہ کہ عدالت' ضبط' ثقاہت اور صدق کے اعتبار سے اس کی روایت کا درجہ یا ہے۔ ان امور کی نسبت دلیل کی جانچ کرنے میں مجتہدین کا اندازہ مختلف ہوتا ہے۔ چنانچہ ان میں سے کوئی ایسا ہوتا ہے جو اس کی روایت سے تو مطمئن ہوتا ہے لیکن (بعض اسباب کی بناء پر) اس سے استنباط نہیں کرتا' اور کوئی ایسا ہوتا ہے جو نہ اس کی روایت سے مطمئن ہوتا ہے نہ اس سے استنباط کرتا ہے۔ یہ ایسا باب ہے جس میں مجتہدین نے بہت سے احکام کی نسبت اختلاف کیا ہے۔

چنانچہ اگر مجتہد کا اجتہاد دلیل کی سند میں ا[illegible] کی [illegible]یت اور رواۃ کے صدق کی نسبت اطمینان کے درجے تک پہنچا دے تو وہ یہ جاننے کی کوشش کرے گا کہ یہ دلیل کن احکام کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور ان کا اطلاق کن واقعات پر ہوتا ہے۔ اس لیے کہ دلیل کا ظاہر ایک معنی طرف رہنمائی کرتا ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ مطلق ہو اور ہو سکتا ہے کہ وہ امر یا نہی کے صیغے میں ہو۔

چنانچہ مجتہد اپنے اجتہاد کے ذریعے یہ جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ آیا ظاہر اپنے ظاہر پر ہے یا وہ موول ہے' یا یہ کہ آیا عام اپنے عموم پر باقی ہے یا وہ مخصص ہے۔ اسی طرح آیا مطلق اپنے اطلاق پر ہے یا وہ مقید ہے' اور آیا امر وجوب کے لیے ہے یا کسی اور مقصد کے لیے۔ اسی طرح نہی' آیا تحریم کے لیے ہے یا کسی اور مقصد کے لیے۔ جو امور اجتہاد میں مجتہد کی رہنمائی کرتے ہیں وہ اصولی اور لغوی قواعد'

شریعت کے مقاصد اور اس کے عمومی مبادی ہیں - ان امور کے ذریعے وہ اس حقیقت تک پہنچتا ہے کہ جو نص اس کے سامنے موجود ہے آیا وہ اس واقع پر منطبق ہوتی ہے یا نہیں -

اسی طرح اگر کوئی واقعہ ایسا ہو کہ اس کے حکم کی نسبت اصلاً کوئی نص موجود نہ ہو تو ایسے معاملے میں اجتہاد کی وسیع گنجائش موجود ہوتی ہے ' اس لیے مجتہد کو قیاس ' استحسان ' استصحاب ' عرف کی رعایت یا مصالح مرسلہ کے ذریعے اس حکم کی معرفت تک پہنچنے کے لیے بڑی محنت سے کام لینا پڑتا ہے - ان تمام ادلہ کی تفسیر انشاء اللہ آئندہ صفحات میں پیش کی جائے گی -

اس تمام گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی معاملے میں اجتہاد کی گنجائش موجود ہونے کے لیے دو امور میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے :

(الف) یہ کہ اس معاملے سے متعلق اصلاً کوئی نص موجود نہ ہو -

(ب) دوسرے یہ کہ نص تو موجود ہو لیکن وہ قطعی نہ ہو -

کسی ایسے معاملے میں اجتہاد کی گنجائش نہیں جس کے بارے میں نص قطعی موجود ہو ' جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا -

جو شخص اجتہاد کرنے کا اہل ہو ' اس میں چار شرائط کا پایا جانا ضروری ہے -

مجتہد کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ عربی زبان ' اس کی عبارات اور مفردات کی دلالت کے طریقوں کا علم رکھتا ہو - وہ عربی زبان کے اسالیب کے فہم کا ذوق رکھتا ہو ' اور یہ چیز اس نے عربی زبان کے علوم و فنون ' اس کے آداب اور شعرو نثر سے متعلق اس کی فصاحت کے آثار کے بارے میں وسیع مطالعے اور ماہرانہ واقفیت کے ذریعے حاصل کی ہو ' اس لیے کہ مجتہد کی پہلی ضروری چیز قرآن و سنت کی نصوص اور ان فہم ہے ' جیسے انھیں وہ عربی سمجھتا ہے جس کی زبان میں یہ نصوص وارد ہوئیں-

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ قرآن کا عالم ہو - اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید میں اس واقع سے متعلق موضوع کے بارے میں جو آیات احکام نازل ہوئی ہیں ' ان کا استحضار کرنا اس کے لیے آسان ہو- لیکن یہ شرط نہیں کہ وہ پورے قرآن کا حافظ ہو-

قرآن مجید میں احکام سے متعلق آیات زیادہ نہیں بعض مفسرین نے خصوصیت کے ساتھ صرف آیات احکام کی تفسیر لکھی ہے، جیسے امام جصاص اور ابن عربی وغیرہ کی تفسیر آیات احکام - اس کے علاوہ آیات قرآن مجید کی فہرستیں بھی حروف ابجد اور موضوعات کے لحاظ سے مرتب ہو چکی ہیں- چنانچہ جو لوگ تحقیق و استنباط کا کام کرنا چاہتے ہیں ان کے لیے یہ مرحلہ پہلے کی نسبت زیادہ آسان ہو گیا ہے-

مجتہد کے لیے تیسری شرط یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کی طرح سنت کا بھی عالم ہو - چنانچہ اب حدیث کی کتابیں جمع، مرتب اور منقح ہو گئی ہیں، اور ان میں سے صحیح معتمد کتابیں مشہور و معروف ہو چکی ہیں - علماے کرام نے سنت نبوی ﷺ کی اہم خدمات انجام دی ہیں - انھوں نے اسانید سے متعلق جو بحثیں کی ہیں انھوں نے ہمیں بہت سے محنت سے بچا لیا ہے - اب ہمیں ہر حدیث کے بارے میں اچھی طرح علم ہے کہ وہ متواتر ہے، یا مشہور ہے، یا صحیح، یا حسن ہے یا ضعیف ہے-

علماء نے احادیث احکام کے بارے میں بڑی توجہ اور محنت سے کام لیا ہے - انھوں نے ان کے مجموعے تیار کیے اور انھیں فقہی ابواب اور مکلفین کے اعمال کے مطابق مرتب کیا - تاکہ تحقیق کرنے والے محققین کے لیے سنت میں وارد بیع، یا طلاق یا زواج یا عقوبات وغیرہ تمام معاملات سے متعلق احکام کی طرف رجوع کرنا اور ان سے استفادہ کرنا آسان ہو جائے -

اس موضوع پر جو کتابیں لکھی گئیں ان میں سب سے اچھی کتاب امام شوکانی کی نیل الاوطار، امام صنعانی کی سبل السلام، اور اصول خمسہ، یعنی بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی اور نسائی سے متعلق تاج الجامع ہے -

مجتہد کے لیے چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ وجوہ قیاس سے واقف ہو، اور یہ اس طرح کہ وہ اس تشریعی حکم سے واقف ہو جس کے لیے احکام مشروع کیے گئے - اور وہ ان مسالک سے واقف ہو جو شارع نے اپنے احکام کی علت جاننے کے لیے تیار کیے

- اور یہ کہ وہ لوگوں کے احوال کے وقائع اور ان کے معاملات کا جاننے والا ہو تاکہ یہ جان سکے کہ جن وقائع سے متعلق کوئی نص موجود نہیں ان میں حکم کی علت کیا سامنے آتی ہے - اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ لوگوں کے مصالح اور ان کے عرف و روایات سے واقف ہو اور یہ کہ ان کے ہاں خیر اور شر کے ذرائع اور اسباب کیا کیا ہو سکتے ہیں - حتی کہ اگر اسے قیاس کے ذریعے واقعہ سے متعلق حکم کی معرفت کا کوئی ذریعہ نظر نہ آئے تو وہ دوسرے ان طریقوں کو کام میں لائے جو اسلامی شریعت نے ایسے حکم کے استنباط تک پہنچنے کے لیے واضح کیے ہیں جن میں کوئی نص موجود نہ ہو -

مجتہد جو محنت کرے اس کے لیے اسے ثواب ملتا ہے - یعنی اگر اس نے صحیح فیصلہ کیا تو اس کے لیے دو اجر ہیں: ایک اجر اس کے اجتہاد کا' اور ایک اجر اس بات کا کہ اس نے صحیح فیصلہ کیا - اور اگر اس نے خطا کی 'یعنی صحیح حکم دریافت نہ کر سکا تو اسے صرف ایک اجر ملے گا جو اس کے اجتہاد کا بدلہ ہو گا -

یہ اس لیے ہے کہ اللہ نے لوگوں کو ان کے حال پر بے مقصد نہیں چھوڑ دیا بلکہ مکلفین کے افعال میں سے ہر فعل کے لیے ایک حکم مشروع کیا اور ہر حکم کے لیے ایک دلیل بیان کی جو اس کی طرف رہنمائی کرتی ہے - اہل نظر سے یہ تقاضا کیا کہ وہ ان دلائل پر غور کریں تاکہ اس کے حکم تک پہنچ سکیں - چنانچہ جس شخص کے اندر ان احکام میں غور و فکر کی اہلیت ہو اور وہ اجتہاد کے ذریعے اس حکم تک پہنچ جائے جہاں تک اس کا اجتہاد اسے پہنچائے تو اسے اپنے اس اجتہاد پر اجر ملے گا مجتہد کے لیے واجب ہے کہ اپنے فیصلے اور افتاء میں اس حکم پر عمل کرے جس تک اسے اس کے اجتہاد نے پہنچایا ہو کیونکہ اس کے راجح ظن کے مطابق یہی اللہ کا حکم ہے - عام لوگ جن کے اندر اجتہاد اور نصوص سے ان کے حکم کا استنباط کرنے کا ملکہ نہ ہو ان کے لیے یہ بات جائز ہے کہ وہ مجتہدین کی پیروی اور ان کی تقلید کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون

اگر تمہیں (کوئی بات) معلوم نہ ہو تو کسی جاننے والے سے پوچھ لو

اجتہاد کی شرطیں السید محمد بن علی السنوسی کی کتاب "المسائل العشر" میں تفصیل کے ساتھ بیان کر دی گئی ہیں، چنانچہ وہاں دیکھی جا سکتی ہیں۔

کوئی اجتہاد اپنے جیسے اجتہاد سے ختم نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگر کسی مجتہد نے ایک واقع میں اجتہاد کیا اور اس میں اس حکم کے مطابق فیصلہ کیا جس تک اسے اس کے اجتہاد نے پہنچایا تھا، پھر اس کے سامنے اسی واقع کی ایک صورت پیش کی گئی لیکن اب اس کا اجتہاد اسے ایک دوسرے حکم کی طرف لے گیا تو اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنا پہلا حکم بدل دے۔ چونکہ روایات میں یہ چیز آئی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک حادثے کے بارے میں ایک فیصلہ کیا پھر اپنے اجتہاد کو بدل دیا۔ لیکن پہلے جو فیصلہ کیا تھا، اسے نہیں بدلہ۔ بلکہ پہلے جیسے حادثے کے بارے میں دوسرا حکم لگایا جس کی طرف انھیں ان کا دوسرا اجتہاد لے گیا تھا۔ اور فرمایا:

ذلک علی ماقضينا وھذا علی مانقضی

(وہ ہمارا اس وقت کا فیصلہ تھا، اور یہ فیصلہ ہم اب کر رہے ہیں)۔

اسی طرح دوسرے مجتہد کے لیے جس نے اپنے اجتہاد میں اس کی مخالفت کی ہو، یہ جائز نہیں کہ وہ اس کے حکم کو ختم کر دے۔ اس لیے کہ ایک مجتہد کا اجتہاد اس بات کا حق دار نہیں کہ دوسرے کے اجتہاد میں اس کی پیروی کی جائے۔ اور دوسرے یہ کہ دوسرے اجتہاد کے ذریعے پہلے اجتہاد کو ختم کر دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ کوئی حکم باقی نہ رہے اور یہ کہ محکوم بہ شے کے لیے کوئی قوت نافذہ باقی نہ رہے۔

بعض مسائل میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا۔ لیکن بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف فیصلہ دیا، تاہم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو کالعدم قرار نہیں دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ان کے اس مشہور قول کا یہی مفہوم سمجھا جانا چاہیئے جو انھوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو قضا کا عہدہ سپرد کرتے وقت کہا: اگر تم آج کوئی فیصلہ کرو، لیکن بعد میں خیال آئے

کہ وہ فیصلہ صحیح نہ تھا' اور تمہارا دل اس سے ہٹ جائے اور صحیح بات کی طرف تمہاری رہنمائی کر دے تو اس فیصلے سے رجوع کر لینا چاہئے 'کیونکہ حق کی طرف لوٹ جانا باطل پر جمے رہنے سے بہتر ہے۔

امام شاطبی الموفقات (مطبعہ الرحمانیہ مصر' جزء الرابع ' صفحات ۲۳۰ - ۲۳۱) میں لکھتے ہیں:

" ثابت نے دلائل میں عبدالصمد بن عبدالوارث سے روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دادا کی کتاب میں لکھا ہوا پایا کہ میں مکے پہنچا اور حضرت امام ابو حنیفہؒ 'امام ابی لیلیٰؒ اور امام شبرمہؒ سے ملا۔ میں نے امام ابو حنیفہؒ سے کہا: "آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس نے کوئی چیز بیچی اور ساتھ ہی کوئی شرط رکھی؟"

امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ: "بیع بھی باطل ہے اور شرط بھی باطل ہے۔"

پھر میں امام ابن ابی لیلیٰؒ کے پاس آیا اور ان سے بھی یہی سوال کیا تو انھوں نے کہا کہ: "بیع جائز ہے لیکن شرط باطل ہے۔"

پھر میں ابن شبرمہؒ کے پاس آیا اور ان سے یہی سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: "بیع بھی جائز ہے اور شرط بھی جائز ہے"۔

میں نے کہا سبحان اللہ! کوفہ تینوں فقہاء ایک مسئلے کے بارے میں ہمیں مختلف بات بتا رہے ہیں۔ چنانچہ میں دوبارہ امام ابو حنیفہؒ کے پاس آیا اور انھیں ان دونوں کا قول سنایا:

امام صاحب نے فرمایا: میں نہیں جانتا کہ ان دونوں نے کیا کہا' جہاں تک میری رائے کا تعلق ہے' اس کی بنیاد اس حدیث پر ہے: " حدثنی عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن بیع و شرط (مجھ سے عمرو بن شعیب نے اپنے والد اور دادا کے حوالے سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع کے ساتھ شرط رکھنے سے منع فرمایا۔")

پھر میں ابن ابی لیلیٰؒ کے پاس آیا اور انھیں ان دونوں کا قول سنایا تو انھوں نے کہا: "میں نہیں جانتا کہ ان دونوں نے کیا کہا، میری رائے اس حدیث پر مبنی ہے کہ:

حدثنا ھشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اشتری بریرۃ و اشترطی لھم الولاء فان الولاء لمن اعتق - فاجاز البیع والابطل الشرط -

(ہشام ابن عروہ، اس کے باپ سے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "بریرہ کو خرید لو اور بیچنے والوں کے لیے ولایت شرط کر لو، کیونکہ ولایت تو اس کی ہے جس نے آزاد کیا" اس حدیث سے حضور ﷺ نے بیع جائز کیا اور شرط کو باطل کر دیا۔"

پھر میں ابن شبرمہؒ کے پاس آیا اور انہیں ان دونوں کا قول سنایا تو انھوں نے کہا، "میں نہیں جانتا کہ ان دونوں نے کیا کہا، میری رائے اس حدیث پر مبنی ہے: حدثنی مسعود بن حکیم عن محارب بن دثار عن جابر بن عبد اللہ قال: اشتری منی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جملا فشرطت حملانی، فاجاز البیع والشرط

(مسعود ابن حکیم سے، محارب ابن دثار سے، جابر ابن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہتے ہیں مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ایک اونٹ خریدا، تو میں نے شرط لگائی کہ مدینہ تک میں اس پر سوار ہوں گا اس طرح حضور نے بیع اور شرط دونوں کو جائز قرار دیا۔

ان فاضل علماء میں سے ہر ایک نے اس حدیث کے مطابق فیصلہ دیا جو اس نے روایت کی تھی۔ لیکن دوسری حدیث، جو اس کے خلاف تھی، اس پر نکیر نہیں کی۔

جمہور مسلمان علماء کی رائے ہے کہ عملی احکام میں قیاس حجت شرعیہ ہے۔ لیکن مذہب ظاہریہ، اور معتزلہ میں سے نظامیہ اور شیعہ کے بعض فرقوں کی رائے یہ

ہے کہ قیاس حجت نہیں۔

امام ابن قیمؒ نے اپنی عظیم کتاب "اعلام الموقعین" کے پہلے جزو میں قیاس کے مسئلے پر بڑی تفصیل سے بحث کی ہے، اور ان لوگوں کے دلائل بھی پیش کیے ہیں جو اس کے قائل ہیں اور ان کے بھی جو اسے رد کرتے ہیں۔ انھوں نے اس مسئلے پر بھی بحث کی ہے کہ آیا نصوص تمام معاملات کا احاطہ کرتی ہیں یا نہیں کرتیں۔ امام ابن قیم لکھتے ہیں کہ اس صورت حال کا تقاضا یہ ہے کہ قیاس ہماری ضرورت ہے۔ امام مرحوم نے اس سلسلے میں بڑی شرح و بسط کے ساتھ کلام کیا ہے اور اس امر سے بھی صرف نظر نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی کوئی نہ کوئی علت ہوتی ہے۔ اور یہ کہ قیاس ان کی نظر میں ایک اہم دلیل ہے جس کی ہمیں ضرورت ہے۔

جمہور علماء نے قیاس کی حجیت قرآن مجید سنت رسول ﷺ اور عمل صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت کی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یاایھاالذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیئی فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر ذلک خیرا و احسن تاویلا (۵۹:۴)

(اے ایمان والو! حکم مانو اللہ اور حکم مانو اس کے رسول کا اور حاکموں کا اپنے میں سے پھر اگر تم جھگڑ بیٹھو کسی بات پر تو پھیر دو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ اور روز آخرت پر، یہ بہتر ہے اور اچھا ہے اس کا انجام)

اس آیت سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا ہے کہ اگر کسی معاملے میں ان کے درمیان اختلاف اور نزاع پیدا ہو جائے اور اس معاملے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے اولو الامر کا کوئی حکم موجود نہ ہو تو اس معاملے کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو

اور اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹانے کا اطلاق ہر اس معاملے میں ہوتا ہے جس میں کوئی اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کی طرف لوٹے۔

جہاں تک سنت کا تعلق ہے تو اس سے استدلال کی واضح مثال حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مشہور حدیث ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گورنر بنا کر یمن بھیجنا چاہا تو ان سے دریافت کیا:

"اگر تمھارے سامنے کوئی مسئلہ پیش کیا گیا تو تم اس کا فیصلہ کیسے کرو گے؟"

اس کے جواب میں حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کتاب اللہ میں اس کا حکم نہ ملے تو۔۔۔؟"

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: "ایسی صورت میں حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق۔"

حضور نے فرمایا: "اگر سنت میں بھی اس کا حکم نہ ملا تو کیا کرو گے؟"

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس سلسلے میں کسی کوتاہی سے کام نہ لوں گا۔"

یہ سن کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے پر ہاتھ مارا اور کہا: "اس اللہ کا شکر ہے جس نے اپنے رسول کے پیغامبر کو اس بات کی توفیق دی جس سے اللہ اور اس کے رسول راضی ہیں۔"

اس حدیث سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تاکید فرمائی کہ اگر قرآن اور سنت میں کوئی ایسی نص نہ ملے جس کے مطابق فیصلہ کیا جا سکے تو اجتہاد سے کام لیا جائے۔

اجتہاد یہ ہے کہ کسی مسئلے کا شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے پوری پوری کوشش سے کام لیا جائے۔ اجتہاد میں قیاس بھی شامل ہے کیونکہ یہ بھی اجتہاد اور استدلال کی ایک نوع ہے۔

اجتہاد کے بارے میں قرآن مجید کی اور بھی آیات اور بہت سی احادیث ' صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ کا عمل اور ان کے اقوال موجود ہیں جن سے اجتہاد کا

جواز نکلتا ہے ۔ چنانچہ اگر اسلامی شریعت میں اجتہاد اور قیاس کی اجازت نہ ہوتی تو قانون سازی کا عمل نشوونما نہ پاتا اور اسلامی فقہ اتنی ترقی نہ کرپاتی جتنی اس نے موجودہ صورت میں کی ہے ۔

ہمارے علماء ایسے وقائع کے بارے میں اجتہاد سے کام لیتے جن کی نسبت کوئی نص وارد نہ ہوئی ہوتی ۔ اور جن امور کے بارے میں کوئی نص نہ ہوتی انہیں ایسے امور کے بالمقابل رکھ کر قیاس کرتے جن کے بارے میں نص موجود ہوتی ۔ اسی طرح وہ ایک نظیر کو دوسری نظیر کے بالمقابل رکھ کر غور کرتے اور اس کے بارے میں شرعی حکم دریافت کرتے ۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عنہ نے اپنے زمانے میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا : " اگر تمہارے سامنے کوئی ایسا مسئلہ رکھا جائے جس میں قرآن و سنت کا کوئی حکم موجود نہ ہو تو اس پر غور کرو ' پھر اس سے ملتے جلتے امور پر غور کرو ' اور اس کی مثالوں کو سمجھو ' پھر تمہیں جو اللہ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ اور حق سے زیادہ مشابہت رکھنے والی بات نظر آئے اس کا سہارا لو ۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے :

" عقل مند لوگ معاملات کو ایک دوسرے پر قیاس کرکے حق کو پہچانتے ہیں ۔"

علامہ ابن قیم نے اپنی عظیم کتاب "اعلام الموقعین" کے پہلے جزو میں قیاس کے مسئلے پر نہایت تفصیل کے ساتھ عمدہ بحث کی ہے ' اور دوسرے جزو میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے فتاوی نقل کیے ہیں جن میں انھوں نے بطریق قیاس اپنے اجتہاد سے فتوے دیے ۔"

حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں ایسے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے طرز عمل پر ناپسندیدگی کا اظہار نہیں فرمایا جو اپنی رائے سے اجتہاد کرتے تھے ۔ اور نہ صحابہ کرام نے آپس میں ایسے لوگوں کو ناپسند فرمایا جو ایک دوسری سے ملتی جلتی چیزوں کو ایک دوسری پر قیاس کرکے اپنی رائے سے اجتہاد کرتے تھے ۔

علاوہ ازیں یہ بھی حقیقت ہے کہ قرآن و سنت کی نصوص محدود اور تمناہی ہیں ' جب کہ لوگوں کے وقائع اور معاملات غیر محدود اور کبھی ختم نہ ہونے والے ہیں - چنانچہ یہ ممکن نہیں کہ صرف نصوص متناہیہ ہی ایسے امور کی مصدر تشریعی ہوں جو لا متناہی ہیں - ایسی صورت میں قیاس ہی ایسا مصدر تشریعی ہے جس کے ذریعے ہر روز پیش آنے والے واقعات کے بارے میں شرعی حکم دریافت کیا جا سکتا ہے ' نیز قانون سازی اور عوام کے مصالح کے درمیان ہم آہنگی پیدا کی جا سکتی ہے -

اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا حکم نہیں دیا جو مصلحت سے خالی ہو - حقیقت یہ ہے کہ تشریع احکام کی اصل غرض لوگوں کے مصالح کو پورا کرنا ہے - اگر کوئی ایسا واقعہ جس کی نسبت کوئی نص موجود نہ ہو ایسے واقع کے مساوی ہو جس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ اس کی علت حکم یہ مصلحت ہے تو اس کے بارے میں حکمت اور عدالت دونوں کا تقاضا یہ ہو گا کہ ان دونوں کا حکم مساوی ہو تا کہ وہ مقصد حاصل ہو سکے جو قانون سازی سے شارع کا ہے -

درحقیقت قیاس ایسی دلیل ہے کہ فطرت سلیم اور منطق صحیح اس کی تائید کرتی ہے - چنانچہ جس نے شراب کو اس لئے ممنوع ٹھہرایا کہ یہ پینے والے کو ذلیل کرتی ہے اور اسے نقصان پہنچاتی ہے ' وہ ہر ایسے مشروب کو اس پر قیاس کرے گا جو لوگوں کو ذلیل کرے اور انھیں نقصان پہنچائے - اور جو اس کی خرید و فروخت اور لین دین کو اس لئے حرام ٹھہرائے کہ اس میں دوسروں پر زیادتی اور ظلم پایا جاتا ہے ' وہ اس پر ہر ایسی خرید و فروخت اور لین دین کو قیاس کرے گا جس میں دوسروں پر زیادتی اور ظلم پایا جاتا ہو -

لوگوں کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ ایک جیسی دو چیزوں میں سے ایک پر جن احکام کا اطلاق ہو گا ' دوسری پر بھی انہی کا اطلاق ہو گا جب کہ ان کے درمیان کوئی فرق نہ ہو - سیدھی راہ کی توفیق دینے والی ذات اللہ تعالیٰ ہی کی ہے !

۶ - اسلامی قانون سازی کے مصادر ' جیسے کتاب ' سنت اور اجماع ' ان کی

کسی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں - کیونکہ ان کی تفصیل اصول فقہ کی کتابوں میں موجود ہے - چنانچہ ہم یہاں ان میں سے صرف چار ایسے مصادر کا ذکر کریں گے - جن کی اہمیت اسلامی قانون سازی میں اتنی زیادہ ہے کہ ہم اپنے موجودہ زمانے میں ' اور ہمیشہ کے لیے ' ان کے محتاج ہیں - یعنی

۱- استحسان
۲- مصالح مرسلہ
۳- استصحاب
۴- عرف و عادت

یہ ایسے مصادر ہیں کہ قانون سازی کے عمل میں ان کی اہمیت بہت زیادہ ہے - چنانچہ ایسے وقائع کی نسبت جن میں کوئی نص موجود نہ ہو ہماری قانونی ضرورتیں پوری کرنے میں یہ ہمارے لیے بڑے معاون ثابت ہوتے ہیں - کیونکہ ان کے ذریعے اور ان کی مدد سے قانون ساز ' مجتہد اور حکام حضرات اپنے مطلوبہ احکام معلوم کر لیتے ہیں - ایک ایسا سرچشمہ ہے جو کبھی خشک نہیں ہوتا - اور یہ اسلامی قانون سازی کی خصوصیات میں سے ایک بے مثال خصوصیت ہے جس پر مسلمان بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں -

(جاری ہے)

عالم کی فضیلت

فضل العالم علی العابد کفضل القمر علی سائر الکواکب

(سنن ابو داود و ترمذی)

ایک عالم کو ایک عابد پر ایسی فضیلت حاصل ہے
جیسی کہ چاند کو دوسرے تمام ستاروں پر (حدیث شریف)